ہم کوئی بھی چیلنج قبول کرنے کیلئے تیار نہیں

تحریر: سہیل احمد لون

مشہور برطانوی مورخ آرنلڈ جوزف ٹائن بی نے (Challange & Response) چیلنج اور مقابلہ کا نظریہ پیش کیا تھا۔ ٹائن بی کے خیال میں انسان تہذیبی منازل اسی وقت طے کرتا ہے جب اسے کسی چیلنج کا مقابلہ کرنا پڑے۔ انسان یا قوم اپنے حال میں مگن رہتی ہے لیکن جب کسی شدید مشکل سے دوچار ہوتی ہے تو اس کا مقابلہ کرنے کے لیے ساز وسامان (ذہنی و مادی) اکٹھا کرتی ہے یا اگر ضرورت ہو تو اختراع و ایجاد کرتی ہے۔ اس طرح چیلنج اور اس کا مقابلہ قوم کو زیادہ طاقتور بنا دیتے ہیں اور یہی طاقت تہذیب کی ترقی کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصل ترقی اسی وقت ممکن ہوتی ہے جب حالات موافق نہ ہوں، ماحول سازگار نہ ہو، آسانیاں کم اور مشکلات زیادہ ہوں، کوئی چیلنج درپیش ہو جس کا مقابلہ کرنا ناگزیر ہو۔ ٹائن بی نے مختلف تہذیبوں کا حوالہ دے کر ثابت کرنے کوشش کی کہ جب قوم کو کوئی چیلنج باقی نہ رہے تو قوم مطمئن ہو جاتی ہے۔ پہلے ترقی کی رفتار کم ہوئی پھر ترقی رک گئی اور پھر قوم رجعت قہقری کر کے اسی مقام پر آ گئی جہاں وہ چیلنج سے پہلے تھی۔ چیلنج کئی شکلوں یا محرکات کی صورت میں نمودار ہو سکتا ہے۔ مثلاً بعض ممالک کو ''سخت'' کہا جاتا ہے کیونکہ وہاں کی سرزمین، آب و ہوا اور ماحول ہمیشہ سے اس قسم کا رہا ہے کہ وہاں زندہ رہنے اور زندگی بسر کرنے کے لیے انسان کو بہت کاوش کرنا پڑتی ہے۔ گویا زندگی ایک مستقل چیلنج ہے۔ بعض قومیں کسی شکست سے دوچار ہوئیں اور یہ شکست ان کے لیے تازیانہ ثابت ہوئی۔ بعض قومیں ایسے مقامات پر آباد ہوئیں جن پر دیگر اقوام مستقل حملے کرتی رہتی ہیں۔ اس طرح وہ ایک مستقل چیلنج سے دوچار رہیں اور اس لیے ترقی کرتی رہیں۔ بعض قوموں کو صدیوں تک زیادہ طاقتور قوموں نے ظلم و تشدد کا نشانہ بنائے رکھا، حتیٰ کہ بعض قومیں یا نسلیں محض غلام ہو کر رہ گئیں۔ پھر ان غلاموں نے چیلنج کا مقابلہ کیا اور ان میں ایک ''آزاد'' طبقہ وجود میں آیا جو اس قدر طاقتور ہو گیا کہ اس نے تاریخ کا رخ بدل دیا۔ جب کسی قوم، نسل یا گروہ کو مستقل طور پر نفرت یا جبر کا نشانہ بنایا جاتا ہے تو اس میں چیلنج کا مقابلہ کرنے کی غیر معمولی صلاحیت نمودار ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جیسے ایک اندھے انسان میں سماعت کی غیر معمولی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ ہر چیلنج مقابلہ کامیاب ثابت ہو؟ افسوس ہے کہ ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔ بعض اوقات چیلنج اس قدر زبردست ہوتا ہے کہ قوم اس کا مقابلہ کرتی ہے اور ناکام ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بعض اوقات چیلنج اس قدر کمزور ہوتا ہے کہ قوم اس سے متاثر نہیں ہوتی اور مقابلہ نہیں کرتی۔ چنانچہ چیلنج اگر بہت سخت یا بہت کمزور ہوں تو دونوں صورتوں میں قوم یا تہذیب ترقی نہیں کرتی۔ تہذیب اس وقت ترقی کر سکتی ہے جب نہ صرف چیلنج کا مقابلہ کامیاب ہو بلکہ یہ کامیابی ایک مزید چیلنج کا پیش خیمہ ثابت ہو اور پھر اس کا مقابلہ کیا جائے اور وہ کامیاب ہو۔ یہ سلسلہ جب تک جاری رہے گا، ترقی ہوتی رہے گی۔ جہاں یہ سلسلہ ٹوٹ جائے گا ترقی رک جائے گی۔ محض مادی ترقی یا فوجی فتوحات اصل ترقی نہیں۔ اکثر اوقات قوم کئی ممالک فتح کر لیتی ہیں لیکن ترقی نہیں کرتی بلکہ کمزور ہو جاتی ہیں۔ اصل ترقی اسی وقت ہوتی ہے جب انسان کی قوتیں مادی اور بیرونی مشکلات پر قابو پانے کے بعد روحانی اور داخلی چیلنج کا مقابلہ کرتی ہیں اور کامیاب ہو جاتی ہیں۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد جرمنی کھنڈرات

میں بدل گیا تھا۔شکست کے بعد درپیش مسائل اور چیلنج نے جرمن قوم میں مقابلہ کرنے کی ایسی قوت پیدا کی جس کے استعمال سے جرمنی چار دہائیوں میں ترقی کی منازل طے کرتا ہوا دنیا میں مضبوط معیشت رکھنے والے ممالک کی فہرست میں شامل ہوگیا۔سقوط ڈھاکہ کے بعد پاکستان نے کسی بیرونی جارحیت سے نبٹنے کے لیے ایٹمی طاقت بننے کے چیلنج کو قبول کیا۔اگر پاکستان ایٹمی طاقت نہ بنتا تو بھارت جو امن کی آشا کی مالانفرت کی بھاشا میں جپتا ہے کب کا حملہ کر چکا ہوتا۔ایل او سی پر کبھی کبھار کشیدگی دونوں ممالک کی عسکری اور جمہوری قیادتوں کا سیاسی ڈرامہ ہے جو مخصوص نتائج حاصل کرنے کے لیے رچایا جاتا ہے۔ بھارت یہ بات بخوبی جانتا ہے کہ اب پاکستان ان کے لیے تر نوالہ نہیں رہا لہذا بھارت سے ہمیں کسی جارحیت کا اتنا خدشہ نہیں۔مگر وطن عزیز کو پیش بے پناہ مسائل اور چیلنجز ہیں۔افواج پاکستان نے گرین بک میں ملک کو درپیش سب سے بڑے چیلنج دہشت گردی کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ ہمیں خارجی سے زیادہ داخلی ملک دشمن عناصر کا سامنا ہے۔ یہ بات تو اب کھلی حقیقت ہے کہ بھارت کے ساتھ جنگوں میں ہمارا اتنا جانی و مالی نقصان نہیں ہوا جتنا دہشت گردوں کے ہاتھوں ہوا ہے۔المیہ یہ ہے کہ دہشت گردوں نے بھی اسی دھرتی ماں میں جنم لیا ہے بلکہ ہم نے قریب الپدائش دہشت گرد پاکستان لا کر پیدا کیے ہیں۔کسی قوم کو بڑے چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے ذہنی وجسمانی طور پر مضبوط ہونا پڑتا ہے۔قیام پاکستان سے قبل بھی بڑے چیلنج کا سامنا تھا کہ گورے سے آزادی لینی ہے قیام پاکستان کے بعد ہم گوروں کے تسلط سے آزاد ہو کر بھی ان کٹھ پتلیوں کے غلام بنے ہوئے ہیں جن کی ڈوریں آج بھی گوروں کے ہاتھ میں ہیں۔وطن عزیز کی معیشت بحرانوں کی دلدل میں گزشتہ تین دہائیوں سے پھنسی ہوئی ہے، ہر دور حکومت اسے مزید ڈبونے کی بھرپور کوشش کی جاتی ہے۔ایک مخصوص طبقہ ہی باری باری یہ کام بڑی دیانتداری سے انجام دے رہا ہے۔ جدید دور میں اگر کسی قوم کو توانائی کے بحران سے دوچار ہونا پڑے تو دنیا کے ساتھ قدم ملا کر چلنا تو درکنار اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا ہی ممکن نہیں ہوسکتا۔صحت اور تعلیم جیسی بنیادی ضروریات سے محروم لوگوں کو ہر سال جشن آزادی منانے کا اجر سیلابی ریلوں کی صورت میں ملتا ہے۔وطن عزیز میں اکثریت نوجوان طبقے کی ہے جو مناسب صحت تعلیم اور انصاف جیسی بنیادی سہولیات سے محروم ہیں۔ ملک میں بڑھتی ہوئی بے روزگاری نوجوان نسل کو جرائم کی طرف راغب کرنے میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے، بے روزگاری سے تنگ آ کر اگر کوئی مجرم نہ بنے تو نفسیاتی مریض بن کر خودکشی جیسا حرام قدم بھی اٹھانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔آبادی اور کرپشن میں تو ہم بہت عرصہ سے خود کفیل تھے مگر اب دہشت گردی میں بھی اتنے کفیل ہو چکے ہیں کہ دنیا کے کسی کونے میں کہیں پٹاخے کی آواز بھی آ جائے تو ملکی وغیر ملکی میڈیا بغیر تصدیق کے نیوز بریک کر دیتا ہے کہ واقعہ میں ملوث افراد کا تعلق پاکستان سے ہے۔اعلی عدلیہ، سیاسی رہنماء اور جرنیل کبھی ملکی نظام کا تعین کرتے تھے اب میڈیا بھی اس کا برابر کا حصہ دار ہے۔مہذب معاشروں میں میڈیا کو عوام اور ریاستی اداروں کے درمیان پل کی حیثیت دی جاتی ہے جہاں صحافی کو ''واچ ڈوگ'' کہا جاتا ہے۔ آرنلڈ جوزف ٹائن بی کے نظریے کے مطابق کسی قوم کو درپیش مسائل اور چیلنج اس کو مضبوط بنا کر اس سے مقابلہ کرنے کی جرات پیدا کرتے ہیں جس کے بعد قوم ترقی کی شاہرہ پر گامزن ہو جاتی ہے۔ ہماری ''عوام'' عرصہ دراز سے کرپشن، بے روزگاری، ناانصافی، معاشی واقتصادی بحران، دہشت گردی اور مسٹر براؤنز کی غلامی کے چیلنجز سے دوچار ہیں۔نسل در نسل ان مسائل اور چیلنجز نے ہم کو جسمانی و ذہنی طور پر مضبوط کیا ہے یا نہیں مگر ہم اتنے ڈھیٹ ضرور ہو چکے ہیں کہ ہم کسی بھی اچھے یا برے واقعہ کا

ردعمل بھی نہیں دیتے۔ہمیں کثیر الاقومی معاشرے کے لوگ ہیں سوایک قوم بننے کیلئے ہمیں یہاں بسنے والی قوموں کی بنیادی شناخت کوسب سے پہلے دل سے قبول کرنا ہوگاورنہ کئی برس گزرنے کے بعد بھی نتیجہ یہی ہوگاالبتہ حالات اس سے بھی زیادہ برے ہو چکے ہوں گے۔قوم بننے کے لیے سوچ کا آزاداور متحد ہونا بنیادی شرط ہے۔ترقی کرنے کے لیے مضبوط قوم ہونا ضروری ہے نہ کہ بے حس اور ڈھیٹ عوام۔ہم مسائل اور چیلنجز سے مالا مال ہیں مگرایک قوم نہیں.....منتشر ہجوم کو یکجا کر کے قوم بنانے کے لیے کسی لیڈر نما مسیحاء کی ہمیں اشد ضرورت ہے ۔کیونکہ درجنوں محبّ وطن عقلمند افراد کے قتل سے ملک کا اتنا نقصان نہیں ہوتا جتنا ایک نااہل لیڈر ملک کو پہنچاتا ہے۔جب تک ایک محبّ وطن لیڈر پیدا نہیں ہوتا شاید پاکستان عوام نہ تو قوم بن سکے اور نہ ہی کوئی چیلنج قبول کرنے کیلئے تیار ہو۔تاریخ کے ارتقاء کا یہی سچ ہے جو انتہائی بھیانک ہے صرف ہمارے لیے۔

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔سرے

sohailloun@gmail.com

18-07-2013.